اعلان واشنگٹن کے مضمرات

اشارات

اگست 1999

فیسر خورشید احمد

profkhurshidahmad.com all rights reserved

اعلانِ واشنگٹن
کے
مضمرات

پروفیسر خورشید احمد

قیمت ۵۰ء۳ روپے فی عدد، سیکڑہ پر خصوصی رعایت

منشورات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک مسلمان کے لیے ہر دن بلکہ ہر لمحہ خود احتسابی کا لمحہ ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے قول و عمل پر مسلسل نظر رکھے اور ہر لحظہ یہ جائزہ لیتا رہے کہ کون سا قدم اسے خیر' حق' انصاف اور جنت کی منزل مقصود سے قریب لا رہا ہے اور کون سا قدم اس سے دور لے جا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت سے اگست کا مہینہ ملت پاکستان کے لیے خود احتسابی اور بے لاگ جائزے کا غیر معمولی موقع فراہم کرتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ رب العزت نے ۵۲ سال پہلے' تقریباً دو صدیوں کی غلامی کے بعد اس قوم کو غیروں کی محکومی سے نجات دلا کر ایک آزاد مملکت کی امانت سے نوازا تھا۔ اہل پاکستان کو بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں' آزادی کے ماحول میں' اسلام کے ابدی اصولوں اور عالمگیر پیغام کی روشنی میں ایک ایسا صحت مند' مبنی بر انصاف' اللہ کا اطاعت گزار اور دنیوی حیثیت سے قوی اور خوش حال معاشرہ اور ریاست قائم کرنے کا زریں موقع دیا تھا جو ان کے لیے رحمت اور نعمت ثابت ہو اور دوسروں کے لیے نمونہ بن سکے۔

آج جن حالات میں ہم یوم آزادی کا استقبال کر رہے ہیں وہ صرف چونکا دینے والے ہی نہیں' بلکہ پریشان کن بھی ہیں اور ایک ایسی تنبیہہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اگر یہ قوم اب بھی بیدار نہیں ہوتی اور وقت کی پکار پر لبیک نہیں کہتی تو وہ

آزادی ہی معرض خطر میں پڑ سکتی ہے جس نے نئی زندگی اور تاریخی امکانات کا راستہ کھولا تھا۔ بلاشبہ ان ۵۲ برسوں میں آزمایش کی بہت سی نازک گھڑیاں آئیں لیکن کارگل کی بلندیوں کے بعد اعلان واشنگٹن کی پستی اور کارگل سے مجاہدین کی پسپائی نے جو گھمبیر صورت حال پیدا کر دی ہے اس نے نہ صرف سارے پرانے زخم تازہ کر دیے ہیں بلکہ ہمیں ایسے نئے خطرات سے دوچار کر دیا ہے جن کی زد ملک کے وجود اور قوم کی آزادی پر پڑ رہی ہے۔

ہر پاکستانی آج یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ کیا اب پاکستان کے مستقبل کا فیصلہ واشنگٹن اور دہلی میں ہونا ہے یا یہ قوم اب بھی اپنے رب کے بھروسے پر اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے کا عزم اور داعیہ رکھتی ہے؟ کارگل کی تاریخی کامیابی کو جس سرعت' بے تدبیری اور بے غیرتی سے سفارتی' سیاسی اور عسکری شکست میں تبدیل کر دیا گیا ہے اس سے ملک کی موجودہ سیاسی قیادت کی صلاحیت ہی نہیں بلکہ وفاداری کے بارے میں ایسے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اب خطرہ صرف باہر سے نہیں اندر سے بھی ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں رہا کہ:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے!

قیادت کی تبدیلی' وقت کی ضرورت

ہم بڑے دکھ کے ساتھ حالات کے بے لاگ تجزیے کے بعد اپنے اس سوچے سمجھے اور مبنی بر حقیقت احساس کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ موجودہ قیادت نے ملک کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اگر اس سے جلد از جلد نجات حاصل نہ کی گئی تو ملک کے وجود اور قوم کی آزادی کو شدید خطرہ ہے۔ اب یہ قیادت اس ملک کے لیے ایک سیکیورٹی رسک (security risk) بن گئی ہے۔ اس نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے اور قوم کی اصل صلاحیتوں اور تاریخی امکانات سے فائدہ اٹھانے کے بجائے

بھارت، امریکہ اور مغربی اقوام کی دھونس اور بلیک میلنگ کے آگے گھٹنے ٹیک دیے ہیں اور لڑے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ اس کی بے بصیرتی اور بزدلی نے بھارت کی عسکری شکست کو فوجی اور سیاسی کامیابی میں بدل دیا ہے۔ اس نے واشنگٹن سے غیر مشروط ڈکٹیشن (dictation) قبول کی ہے اور مجاہدین کی قربانیوں اور شہدا کے خون کا سودا کر ڈالا ہے۔ اس نے قوم کو ایک ایسی ہزیمت سے دوچار کر دیا ہے جو ۱۹۷۱ میں پاکستان کے دولخت ہونے کے سانحے سے کسی طرح کم نہیں۔ جو کردار اس وقت یحییٰ خان اور اس کے ٹولے نے ادا کیا تھا، بالکل وہی کردار موجودہ وزیراعظم اور ان کے مشیروں نے ۱۹۹۹ میں ادا کیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا بلکہ تاریخی مواقع کو اس طرح گنوا دیا کہ اصل جارح اور ظالم دنیا کی نگاہ میں سچا اور معصوم بن گیا اور اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والے مجاہدین کو عملاً چور اور درانداز بنا کر ایک شرمناک فرار اور پسپائی پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پر مستزاد، اس ٹولے کی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کا یہ حال ہے کہ ایسی افسوس ناک شکست اور بے وفائی کو "سفارتی کامیابی" اور "علاقے کو جنگ سے بچا لینے" کا نام دیا جا رہا ہے گویا:

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا!

سرکاری ترجمان اور قلم کار جو کھیل کھیل رہے ہیں اس سے نہ تلخ حقائق پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے اور نہ چودہ کروڑ انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا سکتی ہے۔ اب قوم کے سامنے بظاہر نجات کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے: تبدیلی قیادت!

موجودہ حکمران اپنا اعتبار (credibility) اور جواز (legitimacy) کھو چکے ہیں۔ اب ان کے قول و فعل پر کوئی بھروسا ممکن نہیں۔ اعلان واشنگٹن اور کارگل سے بے نیل مرام پسپائی محض ایک محاذ سے پسپائی یا ایک معرکے میں ہزیمت نہیں، یہ اس قیادت کے وژن، اس کی خارجہ، دفاعی، معاشی اور نظریاتی پالیسی اور سیاسی اور عسکری

حکمت عملی کی مکمل ناکامی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ اس قیادت کی معاملہ فہمی اور صلاحیت کے دیوالیہ پن ہی کا ثبوت نہیں ' بلکہ ملک اور اس کے حقیقی مفادات سے اس کی بے وفائی اور غداری کی عکاس ہے۔ اس کا اصل جرم یہ ہے کہ اس نے محض اپنے اقتدار کے لیے کشمیر اور پاکستان دونوں کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں ایک ناقابل تقسیم وحدت ہیں اور ایک کے مفاد کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس قیادت نے نظری اور عملی ہر دو اعتبار سے ایک ایسی پوزیشن کو قبول کر لیا ہے جو آج تک کی تمام کوششوں اور قربانیوں پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے۔ یہ عملاً بھارت کی شرائط پر معاملات طے کرنے کے لیے راہ ہموار کرنے کا باعث ہو گی۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہو گا کہ خدانخواستہ پاکستان امریکہ کے عالمی نظام میں ایک محکوم قوم اور علاقے میں بھارت کے طفیلی ملک کی حیثیت اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔ ایک نیوکلیر پاور بننے کے ایک ہی سال بعد پاکستان کو اس مقام کی طرف دھکیلنے کا کھیل کھیلنے والوں کو اس ملک کی قیادت اور نمایندگی کا کوئی حق نہیں۔ اب آزادی' عزت اور باوقار زندگی اسی وقت ممکن ہے جب اس قیادت سے نجات حاصل کی جائے اور قوم کی زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں' جو آزادی کی قدر و قیمت سے آشنا ہوں' جو ملت پاکستان کے مقاصد' آرزوؤں اور تمناؤں کے شناسا ہوں' جو امانت اور دیانت کا نمونہ ہوں۔ اب ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو اس قوم کو مغربی اقوام کی نظریاتی' معاشی' تہذیبی اور سیاسی محکومی اور بھارت کی علاقے پر بالادستی (hegemony) سے نجات دلانے کا عزم اور صلاحیت رکھتی ہو۔ آج ملک ایک ایسے فیصلہ کن موڑ پر کھڑا ہے جہاں تبدیلی قیادت کے سوا نجات اور زندگی کا کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آ رہا۔

بلاشبہ اس وقت پوری قوم غم و غصے میں مبتلا ہے۔ لیکن ہم نے اوپر جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ نہ جذبات پر مبنی ہے اور نہ کسی گروہی یا حزبی عصبیت پر۔ ہم اس

رائے کا اظہار حالات کے معروضی جائزے اور حکومت کی پالیسیوں اور اقدامات کے حسن و قبح کے بے لاگ تجزیے کے بعد کر رہے ہیں۔

چار فاش غلطیاں

اعلان واشنگٹن کے الفاظ مختصر ہیں لیکن اس کا مفہوم اور اس کے تقاضے بڑے ہولناک ہیں۔ کلنٹن کے ساتھ یہ معاہدہ ایک ڈرامائی انداز میں پاکستانی قوم اور اس کے اصولی موقف کو یکسر نظرانداز کر کے ایک ایسے وزیراعظم نے کیا ہے جس پر خوف اور گھبراہٹ طاری تھی اور جسے قوم' پارلیمنٹ حتیٰ کہ اس کی اپنی کابینہ نے بھی کسی ایسے معاہدے کا اختیار نہیں دیا تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر مسئلہ کشمیر کے اہم ترین فریق' تحریک مزاحمت اور اس کی سیاسی اور عسکری قیادت سے نہ مشورہ ہوا اور نہ کسی مرحلے پر اسے اعتماد میں لیا گیا۔ فطری طور پر اس معاہدے کو پوری قوم نے اور تحریک جہاد کشمیر کی سیاسی (کل جماعتی حریت کانفرنس) اور عسکری (متحدہ جہاد کونسل) نے مکمل طور پر مسترد کر دیا ہے جس کے نتیجے میں اس معاہدے ہی کی نہیں بلکہ نواز حکومت کو جو بھی برا بھلا جواز حاصل تھا' وہ ختم ہو گیا ہے۔

اس معاہدے کے تجزیے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نواز حکومت نے چار فاش غلطیاں کی ہیں:

ا۔ یہ کشمیر کے مسئلہ کو' جس کی اصل اور بنیاد اہل جموں و کشمیر کا حق خود ارادیت اور اس کے حصول کے لیے بھارت کی غاصب قوت کے خلاف سیاسی اور عسکری جدوجہد ہے' محض ایک پاک بھارت تنازع بنا دینے کی مذموم کوشش ہے۔ بھارت کی ساری کوشش ہی یہ رہی ہے کہ وہ کشمیری عوام کے حق خود ارادیت اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو بھلا کر محض پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک دوطرفہ معاملہ بنا دے۔ "انٹرنیشنلائزیشن" کے سارے خیالی دعووں کے علی الرغم یہ حقیقت ہے کہ اعلان لاہور اور اب اعلان واشنگٹن کی شکل میں اس حکومت نے سب سے

بڑا جرم یہ کیا ہے کہ کشمیر کے مسئلے کو دو حکومتوں کے درمیان ایک مسئلے کی شکل دے دی ہے اور اسے دو طرفہ مذاکرات کے شکنجے میں کس دیا ہے۔

۲۔ یک طرفہ طور پر کارگل سے واپسی کا وعدہ کیا گیا ہے جس کے ذریعے تین ظلم کیے گئے ہیں یعنی:

(i) تحریک جہاد کا سودا کرنا، جس کا اختیار پاکستان کو نہیں۔

(ii) اس جہاد میں پاکستان کی شرکت (involvement) کو تسلیم کرنا اور امریکہ کو یہ اطمینان دلانا کہ حکومت پاکستان مجاہدین کو واپس بلا سکتی ہے۔ گویا کہ یہ ایک عوامی تحریک نہیں جسے پوری ریاست جموں و کشمیر کے عوام لے کر چل رہے ہیں بلکہ سب کچھ "پاکستان کے حمایت یافتہ مداخلت کاروں" کا کیا دھرا ہے جسے حکومت جب چاہے ختم کرا سکتی ہے۔

(iii) بھارت نے جو الزام پاکستان پر لگایا تھا اور جس کا انکار حکومت، فوج اور پوری پاکستانی قوم کر رہی تھی، وزیراعظم صاحب نے اپنے شوق امن پسندی میں خود اس الزام کو اپنے اوپر اوڑھ لیا اور اپنا اور ملک کا منہ کالا کیا۔

۳۔ کشمیر میں لائن آف کنٹرول کی "تقدیس" (sanctity) اور اس کے مکمل "احترام" (respect) کے اصول کو تسلیم کر لیا حالانکہ یہ محض ایک جبری لائن ہے جسے حالات نے مسلط کیا ہے اور جسے اہل کشمیر اور اہل پاکستان نے کبھی بھی، مقدس تو کیا، کسی صورت میں قابل قبول سرحد کے طور پر بھی تسلیم نہیں کیا۔ تاشقند اور شملہ کے معاہدوں تک میں جہاں اس کا ذکر جنگ بندی کی لائن (cease fire line) (تاشقند) اور قبضہ کی حد (line of control) (شملہ) قرار دیا گیا ہے اس امر کا صاف اظہار کیا گیا ہے کہ یہ محض عارضی انتظام ہے۔

"Without prejudice to the recognised positions of either side"

(Simla Accord Article IV, clause, (ii))

لیکن اس اعلان واشنگٹن میں نہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کا کوئی ذکر ہے اور نہ

لائن آف کنٹرول کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار۔ آنکھ بند کر کے اس کے احترام اور تقدیس کا کلمہ پڑھ لیا گیا ہے اور اس طرح کشمیر کی تقسیم کے ظالمانہ اور مجرمانہ منصوبے کے لیے زمین ہموار کی گئی ہے۔

۴۔ بھارت اور امریکہ دونوں سے مسئلہ کشمیر کے حل' اقوام متحدہ کی قراردادوں کے فریم ورک میں حق خود ارادیت کے حصول' بھارتی فوجوں کی واپسی' بھارتی فوجوں' بارڈر سیکیورٹی فورس' پولیس اور "بغاوت" فرو کرنے کے اقدامات کے بارے میں کسی ضمانت اور واضح ٹائم ٹیبل کے مطابق لائحہ عمل کی ضمانت کے بغیر کارگل سے واپسی کا وعدہ اور اس کے لیے ایسے عملی اقدام کرنے کا عہد کیا گیا ہے جو دو ہفتے کے اندر اندر علاقے پر بھارت کے تسلط کو بحال کر دیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو آزاد ملکوں کے حکمرانوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں بلکہ ایک نے حکم دیا اور دوسرے نے سر تسلیم خم کر دیا۔ بھارت تو معاہدہ میں شریک ہی نہیں اس لیے وہ کسی بھی بات کو پورا کرنے سے صاف صاف انکار کر رہا ہے۔ رہا امریکہ تو اس نے صرف اتنا کرم کیا ہے کہ جب نواز شریف صاحب اپنے وعدے پورے کر دیں گے اور مجاہدین سے کارگل کو خالی کرا کر بھارت کو یہ علاقہ تحفہ میں دے دیں گے تو اس علاقے میں تصادم رک جائے گا اور کلنٹن صاحب "ذاتی دلچسپی" لیں گے کہ پاک بھارت مذاکرات اعلان لاہور کے مطابق بحال ہو جائیں۔ پاکستان کسی سے بھی تبادلے میں کوئی چیز (Quid Pro Quo) حاصل کرنے میں قطعاً ناکام رہا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی ہے۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بھارت کے مظالم اور ناجائز قبضے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ تحریک آزادی اور حق خود ارادیت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ ۱۹۶۲-۶۳ کے مذاکرات کا کیا حشر ہوا اور شملہ معاہدہ کے بعد ۲۷ سال تک مذاکرات کس طرح سبوتاژ کیے گئے' ایک بار پھر محض مذاکرات کی بحالی کی امید پر اپنے سارے پتے

زمین پر پھینک دیے گئے ہیں اور محض امریکی صدر کی "ذاتی دلچسپی" کے وعدے پر ساری بازی لگا دی گئی ہے۔

نواز شریف صاحب اور ان کے حواری جو بھی کہیں، پاکستان کی قیادت نے واشنگٹن میں اپنی تاریخ کی سب سے بڑی شکست کھائی ہے اور پوری قوم اور تحریک جہاد کشمیر کو ذلیل و خوار کیا ہے۔ اس کا کچھ اندازہ امریکہ، برطانیہ اور بھارت کے اخبارات اور اہم تجزیہ نگاروں کے تبصروں سے کیا جا سکتا ہے۔

امریکی جریدے نیوز ویک نے بڑے صاف الفاظ میں نواز شریف صاحب کے کارنامے کو بیان کیا ہے۔ اس نے پورا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ کس طرح ملاقات کے لیے التجا کی (he begged for a meeting) پاکستان کو کچھ نہیں ملنا تھا۔ کلنٹن نے کہا: بس یہ کرنا ہے۔ حملہ آوروں کو بھارتی علاقے سے واپس بلاؤ۔ نواز نے واپسی کا وعدہ کیا۔ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کی صورت میں پاکستان آنے کا مبہم وعدہ کیا۔ ثالثی کی کوئی پیش کش نہیں کی (١٩ جولائی ١٩٩٩)

ٹائم میگزین نے واضح طور پر لکھا کہ پاکستان کو امریکہ سے کوئی حمایت نہیں ملی۔ مشترکہ بیان was a slap on Sharif's wrist۔ شریف نے امریکہ میں ٹھیک وہی وعدے کیے جن کا بھارت مطالبہ کر رہا تھا (١٩ جولائی ١٩٩٩)

واشنگٹن پوسٹ نے اداریے میں لکھا کہ بھارت اس بات کے مزے لے رہا ہے کہ اس لڑائی میں حق اس کی طرف ہے۔ وہ کشمیریوں کو حق خود ارادی کا ذائقہ چکھانے کے کسی موڈ میں نہیں ہے (انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون، ١٦ جولائی ١٩٩٩)

اکانومسٹ، لندن نے لکھا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ جب حمایت برقرار نہیں رکھی جا سکی تھی تو اقدام کیا ہی کیوں گیا۔ فوج کے ریٹائرڈ افسران سمجھتے ہیں کہ میدان جنگ کی فتح کو سفارتی شکست میں تبدیل کر دیا گیا۔

پورا عالمی پریس نواز شریف حکومت کو آئینہ دکھا رہا ہے۔ اس نے کس طرح مجاہدوں کی حاصل کردہ کامیابی کو جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ بھارت کے چنگل سے کشمیر کو آزاد کرانے کی جدوجہد کو ایک نئے اور کامیاب دور میں داخل کرنا ممکن ہو گیا تھا بلکہ نیوکلیر صلاحیت حاصل کرنے کے بعد بھارت سے پہلے معرکے میں خود پاکستان کے ایک ناقابل تسخیر قوت بن جانے کو ثابت کرنے کا نادر موقع حاصل ہو گیا تھا محض موہوم خطرات کے خوف اور بیرونی دباؤ میں آکر ایک شرمناک شکست میں تبدیل کر دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟ اس پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔

بھارت اور امریکہ کی حکمت عملی

بھارت اور مغربی اقوام، خصوصیت سے امریکہ اور اس کے زیر اثر جی۔8 نے جب یہ محسوس کر لیا کہ کارگل کی کامیابی کی وجہ سے کشمیر میں تحریک مزاحمت ایک نئے دور میں داخل ہو گئی ہے اور بھارت کے لیے اس سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں، تو کئی محاذوں پر بڑی جارحانہ کارروائی شروع کی گئی تاکہ پاکستان کی حکومت کو خوفزدہ کیا جا سکے اور لڑے بغیر ہی اسے میدان چھوڑنے پر مجبور کیا جا سکے۔ اس کے لیے پہلا محاذ یہ کھولا گیا کہ حکومت اور فوج کے درمیان خلیج پیدا کی جائے اور بیرونی دباؤ کے ساتھ داخلی انتشار بھی پیدا کیا جائے۔ اس کے لیے بھارت اور عالمی میڈیا نے نت نئے پینترے بدلے اور ایسی فضا بنائی جس سے خوف و ہراس پیدا کیا جا سکے۔

نفسیاتی جنگ کا دوسرا محاذ اور بھی چابکدستی سے کھولا گیا جس میں خود نواز شریف صاحب کو فوج کے ردعمل کے خطرات کے علاوہ اسلامی قوتوں اور خصوصیت سے جہادی قوتوں سے خائف کرنے کی کوشش کی گئی۔ "پاکستانی طالبان" اور "اسلامی بنیاد پرستوں" کے قبضے کے افسانے ہر طرف سے چھیڑے گئے اور نواز شریف صاحب کو مغرب کی تائید کا دلاسا دیا گیا بشرطیکہ وہ قدم پیچھے اٹھانے پر تیار

ہوں۔

عین اسی وقت بے نظیر صاحبہ کھل کر میدان میں آگئیں اور انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون میں ایک مضمون میں صاف اعلان کیا کہ میری سابقہ کشمیر پالیسی غلط تھی۔ وہ محض فوجی دباؤ میں اختیار کی گئی تھی۔ سابق اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا اور کشمیر کے مسئلے کو پس پشت ڈالنے اور تجارت' ثقافت اور نام نہاد اعتماد پیدا کرنے والے اقدامات کی اولیت کا عہد کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ لائن آف کنٹرول کو کھول دیا جائے' آمدورفت شروع ہو جائے اور اس طرح خالص بھارتی اور امریکی لائن پر کشمیر کے مسئلے کا قصہ ختم کر دیا جائے۔ بے نظیر نے یہ مضمون لکھ کر اپنے کو پیش کیا کہ نواز شریف کے مقابلے میں مجھے تائید فراہم کی جائے تاکہ میں اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکوں۔

اس کے ساتھ بھارت نے کارگل کے میدان میں اپنی پوری قوت جھونک دی۔ ۳۰ ہزار جوانوں اور افسروں پر مشتمل تازہ دم فوج کشمیر میں اتار دی' ہوائی قوت کو متحرک کیا' بھاری توپوں' خصوصیت سے بوفور توپوں کو حرکت میں لایا گیا اور ملک بھر میں جنگی جنوں کی فضا پیدا کی۔ یہ بھارت کی تاریخ میں پہلی بار ہوا کہ ٹی وی پر فوج کی ایک ایک نقل و حرکت کو پیش کیا گیا' جذباتی فضا پیدا کرنے کے لیے جوانوں کی لاشوں کی نمائش کی گئی' جنگی فنڈ قائم کیے گئے' ریڈیو اور ٹی وی پر لام بندی کی فضا پیدا کی گئی اور عین اس ڈرامے کے بیچوں بیچ بھارتی وزیراعظم نے صدر کلنٹن کو ۱۵ جون کو جنیوا میں اپنے خصوصی نمایندے کے ذریعے خط بھیجا کہ ہم لائن آف کنٹرول پار کرنے اور پاکستانی افواج پر بھرپور حملہ کرنے والے ہیں۔ کلنٹن نے اس خط کی روشنی میں جی۔۸ کے اجلاس میں بھارت کے منصوبے کو ایک حقیقی امکان کے طور پر پیش کیا اور دوسری طرف جنرل اینتھونی زینی کو اسلام آباد بھیجا اور پاکستان کو ڈرانے دھمکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ وہ لمحہ ہے جب نواز شریف صاحب

کے اعصاب جواب دے گئے اور انھوں نے امن اور دوستی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیے۔

اعصاب جواب دے گئے

یہاں نواز شریف صاحب کے ذہن کا تجزیہ بھی ضروری ہے۔ وہ شروع ہی سے double minded اور confused رہے ہیں۔ گہرائی میں جا کر تمام پہلوؤں کے تجزیوں کی روشنی میں معروف انداز میں رائے قائم کرنا ان کا طریقہ نہیں۔ اگر کشمیر میں کوئی اقدام کر کے ان کو سیاسی فائدہ ہو سکتا ہے تو وہ اس کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اگر ان کو خطرات کا ہوا دکھا کر جان بچانے کی راہ دکھائی جائے تو وہ اس کے لیے دوڑ پڑیں گے۔ بھارت سے دوستی اور کشمیر کے سلسلے میں کوئی مختصر راستہ (short cut) ایک عرصے سے ان کا خبط (obsession) ہے۔ اپنی پہلی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں تہران کے سفر کے دوران انھوں نے تیسرے حل (third option) کی بات کی تھی اور جب سخت گرفت ہوئی تو مکر گئے حالانکہ یہ ثابت ہے کہ انھوں نے یہ بات کہی تھی۔ اپنے اقتدار کے اس دور میں وہ بار بار کسی نئے حل کی بات کر رہے ہیں۔ کبھی لچک (flexibility) کی بات ہوتی ہے' کبھی اقوام متحدہ سے باہر راستہ نکالنے کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے۔ کبھی ایک سال میں کشمیر کے قضیہ کو دفن کرنے کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ سب ان کی ژولیدہ فکری کے مظاہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے اہم مسائل میں ان کا رد عمل سرسری اور impulsive ہوتا ہے اور متضاد رویے اختیار کرنے میں ان کو تکلف نہیں ہوتا۔ اس کا احساس ان تمام افراد کو ہے جن کو ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔

اس موقع پر بھی صاف نظر آتا ہے کہ ایک طرف بھارت سے دوستی اور دوسری طرف کشمیر میں دباؤ دونوں کو انھوں نے اشیرباد دی اور کسی معاملے کے بھی تمام منطقی تقاضوں کو گہری فکر کے ساتھ سامنے نہ رکھا۔ کارگل پر مجاہدین کے قبضے کو

اپنے اقتدار کے لیے تاج بنانے کی کوشش کی اور پہلی بار لائن آف کنٹرول پر جا کر شاباشی دی اور جب امریکہ نے وارننگ دی تو بوکھلا کر سیکنڈ ٹریک اور تھرڈ ٹریک سفارت کاری کی ناؤ چلانا شروع کر دی۔ نائیک صاحب ایک بار نہیں تین بار بھارت گئے اور بھارت اور امریکہ نے اندازہ کر لیا کہ نواز شریف صاحب کو بہ آسانی مرعوب کیا جا سکتا ہے۔ بھارت کی سفارتی اور عالمی پروپیگنڈے کی مہم پہلے دن سے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق کام کر رہی ہے جبکہ پاکستان کے سفارت کار سو رہے تھے اور میڈیا کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے کا کوئی احساس نہیں تھا بلکہ اس نے تو قوم کو بیدار کرنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہی نہیں کیا۔

عوام کو کسی مرحلے پر اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ پارلیمنٹ میں کوئی بحث نہیں ہوئی۔ کابینہ تک سے کوئی مشورہ نہ ہوا۔ بجٹ کے لیے کابینہ کی نشست ۵۴ دن کے بعد ہوئی ہے۔ ان دو مہینوں میں جو قوم کے لیے فیصلہ کن تھے ایک بار بھی کابینہ کا اجلاس نہیں ہوا۔ پارلیمنٹ میں گذشتہ ڈھائی سال میں وزیر اعظم صاحب صرف ۱۸ منٹ بولے ہیں۔ فیصلے کرنے سے پہلے اور حالات کا صحیح تجزیہ کرنے کے لیے نہ کوئی موثر سیاسی فورم ہے اور نہ ماہرین سے مشورے کا کوئی نظام۔ وزیر اعظم صاحب کے چند خود پسند مشیر ہیں اور سارا نظام ایک شاہانہ انداز سے چلایا جاتا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر امریکہ اور بھارت نے چوتھی جنگ' جو نیوکلیر جنگ بھی ہو سکتی ہے' کا ہوا دکھایا اور ایسی فضا قائم کی کہ وزیر اعظم صاحب سجدہ سہو کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ سیاست ہو یا جنگ' اس میں ہمت اور حوصلے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر قیادت حوصلہ ہار جائے تو پھر کوئی بڑا اقدام نہیں ہو سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارت اور امریکہ نے جنگ کے خوف کی جو فضا بنائی اس نے وزیر اعظم صاحب کے اعصاب کو مضمحل کر دیا جو امریکہ کے سفر' کلنٹن کی خوشامد اور کارگل سے پسپائی پر منتج ہوا۔

چار غیر حقیقی وجوہات

پسپائی کی اس حکمت عملی کی چار بنیادیں ہیں اور چاروں بودی اور غیر حقیقی۔

اول: بھارت جنگ کرنے والا ہے اور یہ چوتھی پاک بھارت جنگ بڑی ہولناک بلکہ ایٹمی جنگ بھی ہو سکتی ہے۔

دوم: پاکستانی فوج روایتی جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بھارت سے بہت پیچھے ہے، خصوصیت سے فضائی طاقت اور بحری طاقت۔ نیز جنگ کا اسلحہ اور فالتو پرزے بھی دو تین ہفتوں سے زیادہ کے لیے موجود نہیں جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پاکستان کے خلاف پلٹ سکتا ہے۔

سوم: جنگ سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ مسائل صرف مذاکرات سے حل ہو سکتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح مذاکرات کا دروازہ کھولا جائے۔

چہارم: امریکہ کو کسی نہ کسی طرح کشمیر کے معاملے میں involve کرا لیا جائے اور اس طرح جنگ ہی سے نہیں، کشمیر کے مسئلے سے بھی جان چھڑائی جا سکتی ہے۔

بھارت حملہ کر دے گا

ہماری نگاہ میں یہ چاروں باتیں بے بنیاد اور گمراہ کن ہیں۔ بھارت کے لیے کسی صورت میں بھی پاکستان پر حملہ ممکن نہ تھا، اس کی فوج کا نصف کشمیر میں پھنسا ہوا تھا اور جموں و کشمیر میں اب وہ حالت نہیں جو ۱۹۶۵ میں تھی۔ اب پوری ریاست میں بھارت کے خلاف تحریک سرگرم ہے اور جگہ جگہ اسے بغاوت سے سابقہ ہے جو جنگ کی صورت میں مزید بڑھ جاتی اور عام بغاوت (mass uprising) کی شکل اختیار کر لیتی۔ نیز بھارت آسام میں اور خود پنجاب میں مقامی بغاوتوں سے الجھا ہوا ہے۔ اس کی فوج ہرگز اس پوزیشن میں نہ تھی کہ کئی محاذوں پر لڑ سکے۔ کارگل کے محاذ پر اسے مسلسل ہزیمت کا سامنا تھا اور خود بھارتی اخبارات اور رسائل اور عالمی

میڈیا کی شہادت موجود ہے کہ کارگل، دراس، بٹالک اور مشکو سیکٹرز میں ڈیڑھ سو کے قریب چوٹیاں ہیں جن میں سے ۱۳۱ چوٹیاں اسٹرے ٹیجک اہمیت کی حامل ہیں، بھارت ۲ مہینے کی سرتوڑ کوشش کے باوجود ۴ جولائی سے پہلے ان میں سے ۱۰ فی صد پر بہ مشکل قبضہ کر سکا تھا۔ چند چوٹیاں ایسی بھی تھیں جن پر مجاہدین نے دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔

بھارت کی بیشتر فوجی مشینری روس سے حاصل کردہ تھی جو اب ازکار رفتہ (out-dated) ہو رہی ہے اور بھارت کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ پاکستان کے مقابلے میں موثر نہیں ہو سکے گی۔ اگر گہرائی میں جا کر بھارت کی سیاسی قوتوں کی سوچ کا جائزہ لیا جائے تو چند عناصر کو چھوڑ کر سب کا اتفاق تھا کہ لڑائی خواہ کتنی طویل ہو جائے، لائن آف کنٹرول کے پیچھے جا کر حملے سے گریز کیا جائے۔ عالمی رائے کا رخ بھی اسی سمت تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر پاکستان کی ایٹمی صلاحیت ایک حقیقی سدجارحیت (deterrant) تھی۔ ان سب کی موجودگی میں پاکستان پر بھارت کے حملے کا امکان نہ تھا۔ وہ صرف گیدڑ بھبکیوں سے کام لے رہا تھا اور امریکہ نے اس کی آواز میں اپنی آواز ملا کر پاکستان کی قیادت کو خائف کرنے اور حواس باختہ کرنے کی فضا بنائی اور ہمارے ان سیاسی سورماؤں کا یہ حال ہوا کہ:

یہ نادان گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا

غالب نے صحیح ہی کہا تھا کہ:

دھمکی میں مر گیا، جو نہ باب نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

پاکستان کی فوجی صلاحیت کم ہے

دوسری بنیاد کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ ہماری اطلاع کے مطابق فوجی قیادت نے اس امر کو واضح کر دیا تھا کہ اب ۱۹۶۵ والی بات نہیں ہے۔ ہم پر اگر حملہ

ہوا تو اس کا بھرپور جواب دینے کی پوزیشن میں ہیں اور جنگ کو کئی ہفتے کسی تعطل کے بغیر جاری رکھ سکتے ہیں۔ چین نے بھی کم از کم اسلحہ اور فالتو پرزوں کے بارے میں یقین دلایا تھا کہ وہ پورا ساتھ دے گا۔ اس کے باوجود جنرل زینی کی بات کو اہمیت دی گئی اور ایک تاریخی کامیابی کو اپنے ہی ہاتھوں شکست میں بدل دیا گیا۔

مذاکرات کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوئے

رہا معاملہ مذاکرات کا، کوئی بھی ان کا مخالف نہیں ہے لیکن مذاکرات حقیقی اور نتیجہ خیز ہونے چاہییں اور بھارت اس کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتا۔ اس کی ایک پوری تاریخ ہے۔ لیاقت نہرو مذاکرات کے وقت بھی جب لیاقت علی خاں نے صاف الفاظ میں لکھ دیا کہ ایک متعین ٹائم ٹیبل کے بغیر بات چیت فضول ہے اور اگر اس متعین وقت میں معاملات طے نہ ہوں تو پھر ثالثی کا طریقہ اختیار کیا جائے تو بھارت مذاکرات کے میدان سے بھاگ گیا۔ ۱۹۶۲ میں جب بھارت چین جنگ ہوئی ہے اور پاکستان کے لیے کشمیر پر قبضہ کرنے کا نادر موقع تھا تو امریکہ اور برطانیہ کی یقین دہانیوں پر اعتبار کر کے ایوب خاں نے یہ موقع ضائع کر دیا۔ پھر سورن سنگھ بھٹو مذاکرات شروع ہوئے جو قطعاً لاحاصل رہے اور حال ہی میں جو دستاویزات اس سلسلے میں شائع ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پاکستان نے ایک متعین ٹائم ٹیبل پر اصرار کیا تو بھارت مذاکرات سے پیچھے ہٹ گیا۔

اس وقت تو معاملہ اور بھی نازک ہے۔ اعلان واشنگٹن کے بعد، بھارت ہی نہیں، امریکہ بھی یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ پاکستان کشمیر میں جہادی تحریک سے دست کش ہو جائے، اس کے بغیر بات چیت شروع بھی نہیں ہو سکے گی۔ بھارت کے وزیراعظم اور وزیر خارجہ دونوں نے پانچ دنوں میں دو دو بار صاف اعلان کیا ہے کہ اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پورے کشمیر میں "تخریب کاری" پاکستان کے ایما پر ہو رہی ہے۔ صرف لائن آف کنٹرول کا احترام نہیں بلکہ جب تک پوری جہادی تحریک کو ختم

نہیں کیا جاتا مذاکرات ممکن نہیں۔ اے ایف پی نے ۲۱ جولائی کو دہلی سے صاف الفاظ میں یہ رپورٹ دی ہے کہ:

جب تک متنازعہ علاقے میں مسلم بغاوت کے لیے پاکستان کی حمایت جاری رہتی ہے، بھارت اور پاکستان کے درمیان مذاکرات کی کوئی امید نہیں ہے۔ بھارت نے مذاکرات کے آغاز کے لیے تین شرائط عائد کی ہیں: ا۔ بھارتی کشمیر سے پاکستان کی حمایت یافتہ فورسز کا مکمل انخلا ۲۔ کشمیر کی متنازع سرحد کے تقدس کا ایک دفعہ پھر اقرار ۳۔ سرحد پار سے دہشت گردی کروانے کا خاتمہ۔

بھارتی قیادت نے اعتماد کی بحالی اور پاکستانی قیادت کے ہر قدم اور دعویٰ کی جانچ پڑتال کی شرط بھی عائد کر دی ہے۔ امریکہ کی وزیر خارجہ نے بھی جو سنگاپور میں بھارتی وزیر خارجہ سے ملنے والی ہیں، صاف الفاظ میں کہا ہے کہ پورے کشمیر میں تخریب کاری کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ آل برائٹ کے یہ الفاظ غور طلب ہیں:

تخریب کاری کی کارروائیوں کو فی الفور ختم ہو جانا چاہیے اس لیے کہ اس طرح کی کارروائیاں کشمیر کے تنازع کے حل کو کم نہیں، زیادہ مشکل بنا دیتی ہیں۔ ہم شہریوں کے خلاف کارروائیوں کی مذمت کرتے ہیں۔ جو یہ کارروائیاں کرتے ہیں، ان کی بھی، اور جو ان کو امداد فراہم کرتے ہیں، ان کی بھی (اے ایف پی ۲۰ جولائی ۱۹۹۹ دی نیوز انٹرنیشنل، لندن، ۲۱ جولائی ۱۹۹۹)

کلنٹن اور واجپائی کی ٹیلی فون کی گفتگو میں بھی یہی موضوع رہا ہے اور بین الاقوامی تجزیہ نگار برملا کہہ رہے ہیں کہ حقیقی مذاکرات کا دور دور کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اس صورت حال کو بھارت کے انتخابات نے اور بھی مخدوش بنا دیا ہے۔ بی جے پی اپنی بظاہر عسکری اور سیاسی فتح سے الیکشن میں فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ اگر وہ جیت جاتی ہے اور اسے واضح اکثریت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اور بھی سخت رویہ اختیار کرے گی۔ اگر کمزور مخلوط حکومت بنتی ہے تو اس کے لیے کوئی بڑا فیصلہ کرنا

ممکن نہیں ہو گا۔ اگر کانگریس آجاتی ہے تو اس سے کسی معنی خیز مذاکرات کی توقع نہیں۔ ان حالات میں مذاکرات کے ذریعے حل اور جنگ سے فرار ایک ایسا راستہ ہے جس کی عقل، تاریخ اور حقائق تائید کرنے سے قاصر ہیں۔ مذاکرات وہی کامیاب ہوتے ہیں جو طاقت کے مقام سے ہوں۔ کمزوری کے مقام سے کیے گئے مذاکرات کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ صرف شکست کو دوام بخشنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور پاکستان کی موجودہ قیادت نے اپنے کو ایک واضح شاہراہ سے ہٹا کر ایک ایسی دلدل میں پھنسا لیا ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔

امریکہ ناقابل اعتبار ہے

چوتھی بات امریکہ پر بھروسے کی ہے۔ ہمیں اس بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں۔ امریکہ نے گذشتہ ۴۵ سال کی "دوستی" کے دور میں کبھی پاکستان کے حقیقی مفاد سے وفاداری کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ خواہ ۱۹۶۲ ہو یا ۱۹۶۵ یا ۱۹۷۱، ہر موقع پر امریکہ نے دھوکا دیا ہے۔ افغانستان کے جہاد کے دور میں جو گراں قدر خدمات پاکستان نے انجام دیں ان کا صلہ اس صدر بش نے معاشی پابندیاں لگا کر دیا جو جنرل ضیا الحق کے بڑے دوست تھے اور جن کے ساتھ جنرل صاحب کے ذاتی مراسم تھے۔ امریکہ کو آنکھیں بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ یہ اس کا تاریخی ریکارڈ ہے۔ اگر کسی کو کچھ بھی شبہ ہو تو کسنجر کی تازہ کتاب Years of Renewal کا مطالعہ کر لیں۔ یہ اس کی یادداشتوں کی تیسری جلد ہے اور ابھی ۱۹۹۹ میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں کسنجر نے کمبوڈیا کے سابق وزیر اعظم سرک ماتک (Sirik Matek) کا خط نقل کیا ہے جو اس نے امریکہ کے سفیر کو لکھا تھا اور جس کو پڑھ کر ان سب کو عبرت ہونی چاہیے جو امریکہ دوستی پر بھروسا کرتے اور اپنے ملک کی قسمت اور اپنے اساسی مسائل کو امریکہ کے ہاتھوں حل کروانا چاہتے ہیں۔ اس نے اس خط میں اسے زندہ بچانے کی امریکی پیش کش کو مسترد کرتے ہوئے، اپنے ہی ملک میں مرنے کو ترجیح دی تھی اور

لکھا تھا کہ اسے یہ امید نہیں تھی کہ امریکہ آزادی پسند کرنے والی قوم کو اس طرح چھوڑ جائے گا! "میں نے تم پر اعتبار کرنے کی غلطی کی" (بحوالہ ماہنامہ کھنٹری، مئی ۱۹۹۱ء، ص ۵۶)۔

اس خط کے لکھنے کے بعد سرک ماٹک کا انجام بھی وہی ہوا جو کمبوڈیا اور ویت نام کا ہوا--- اسے کھمیروج نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور امریکہ کی دوستی ہمیشہ کے لیے نشان عبرت بن گئی!

یہ ہے امریکہ پر انحصار کا انجام۔ لیکن نواز شریف صاحب اور ان کے مشیر بغلیں بجا رہے ہیں کہ کلنٹن کا وعدہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور یہ کہ کلنٹن صاحب نے کشمیر کے سلسلے میں "ذاتی دلچسپی" کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے وزیر اطلاعات فخر سے بیان دے رہے ہیں کہ کلنٹن نے نواز شریف سے ۳ گھنٹے بات چیت کی جو غالباً ان کی نگاہ میں تیسری دنیا کے ایک آدمی کے لیے معراج کا درجہ رکھتی ہے۔ کیا حاصل کیا اور کیا کھو آئے؟ اس کا کچھ خیال نہیں، دلچسپی اس میں تھی کہ کلنٹن صاحب کے ساتھ فوٹو کھنچ جائے۔ اگر ۴ جولائی کو یہ فوٹو نہ کھنچ سکا تو خاص درخواست کر کے اگلے دن فوٹو سیشن کا اہتمام کرایا گیا۔ یہ سارا معاملہ کس سطح پر گر کر کیا گیا، اس کا اندازہ اس رپورٹ سے کیجیے جو ڈان کے نمایندہ واشنگٹن شاہین صہبائی نے بھیجی ہے اور ڈان کراچی کے ۱۳ جولائی کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے۔

مستقبل کے اندیشے

بات صرف امریکہ کی دوستی پر عدم اعتماد ہی کی نہیں، ہمیں خطرہ ہے کہ یہ دوستی اور "ذاتی دلچسپی" کہیں کچھ اور رنگ نہ دکھلائے۔ اس سلسلے میں شائع ہونے والے تمام اہم تجزیوں کے مطالعے کے بعد ہمیں خطرہ ہے امریکہ اول تو بھارت پر کوئی خاص دباؤ نہیں ڈالے گا اور اگر ڈالے گا تو خود اپنے مفادات اور منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لیے ڈالے گا تاکہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط ہو جائیں اور ایٹمی

صلاحیت کی تنسیخ یا تحدید ہو جائے اور کشمیر کا کوئی ایسا "حل" قبول کروالیا جائے جس کے نتیجے میں پاکستان کو کوئی فائدہ نہ پہنچے، کشمیر ہمیشہ منقسم رہے اور خود امریکہ کو اس کے کسی حصہ پر قدم جمانے کا موقع مل جائے۔ اس وقت جن دو تجویزوں پر زور شور سے کام ہو رہا ہے وہ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد بنا کر کشمیر کی تقسیم یا کوئی ایسا نظام جس میں کچھ علاقہ پاکستان کے پاس رہے، کچھ بھارت کے پاس، باقی علاقے کو نیم خود مختاری دے دی جائے اور اس بندر بانٹ میں خود امریکہ یا اقوام متحدہ کے پردے میں امریکہ کے لیے کوئی مستقل رول پیدا کر لیا جائے۔ اس بات کا خطرہ ہے اعلان واشنگٹن پر خوشیاں منانے والے اور سابقہ کشمیر پالیسی پر ندامت کا اظہار کرنے والی محترمہ دونوں ہی کسی ایسے کھیل کے لیے آلہ کار بن جائیں۔ یہ ہے اعلان واشنگٹن کا اگلا قدم--- اور قوم کو آج ان تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کی ضرورت ہے۔ شاہین صہبائی نے اپنی ۱۳ جولائی کی واشنگٹن سے رپورٹ میں امریکہ کے پالیسی بنانے والوں کا عندیہ صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے اور اسی کی بازگشت بیشتر امریکی، برطانوی، یورپی اور خود بھارتی اخبارات اور رسائل میں سنائی دے رہی ہے کہ:

اب کوئی نئے کارگل واقع نہیں ہو سکتے۔ یہ معاہدہ واشنگٹن کے طویل مدت مضمرات ہیں۔ یورپ اور چین سمیت سب نے کنٹرول لائن کو تقریباً بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا ہے۔ اگر برعظیم میں کشمیر کے مسئلے کا کوئی حل نافذ کیا گیا تو پاکستان کو اس کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔

بھارتی رسالہ Indian Today بھی اپنے انداز میں یہی بات کہتا ہے:

اگر حکومت اسی راستے پر چلتی رہے، تو کارگل کا واقعہ اس ملک کی اعلیٰ ترین غلطی (crowning blunder) ثابت ہو سکتا ہے۔ بھارت کا سوچا سمجھا ردعمل، اور کنٹرول لائن کے تقدس کی بین الاقوامی حمایت، کشمیر میں بھارت

کی پچاس سالہ حکمت عملی کو تقویت دینے کا باعث ہو گا یعنی کنٹرول لائن کو مستقل سرحد تسلیم کر کے ریاست کی رسمی تقسیم۔

شرمناک ناکامی کے ذمہ دار

میاں نواز شریف اور ان کی حکومت کو اس شرمناک ناکامی کی ذمہ داری قبول کرنا ہو گی اور اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ بے نظیر بھٹو نے بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر ثابت کر دیا ہے کہ پی پی کے پاس بھی کوئی واضح کشمیر پالیسی نہیں اور وہ بھی صرف امریکی ایجنڈے ہی کو آگے بڑھانے میں دلچسپی رکھتی ہیں۔

فیصلہ اب قوم کو کرنا ہے۔ پاکستان اور کشمیر دو الگ الگ وجود نہیں۔ جو حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ کشمیر کی خاطر پاکستان کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا' وہ پاکستان کے اصل تصور سے یا نابلد ہیں یا غداری کر رہے ہیں۔ قائداعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا اور اگر یہ شہ رگ کٹ جاتی ہے تو پھر پاکستان کا وجود کہاں رہے گا۔ کل اگر خدانخواستہ کوئی اور فتنہ اٹھتا ہے تو یہی لوگ کہیں گے کہ کراچی کی خاطر یا لاہور کی خاطر' یا پشاور کی خاطر' یا کوئٹہ کی خاطر پاکستان کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا۔ پاکستان کی قسمت اور اس کا مستقبل کشمیر سے وابستہ ہے اور اگر خدانخواستہ کسی سازش سے' کشمیر پاکستان سے جدا ہو جاتا ہے تو یہ نظریہ پاکستان ہی پر ضرب نہ ہو گی بلکہ باقی پاکستان کے لیے بھی زندہ رہنا اور ترقی کرنا ممکن نہ ہو گا۔ یہ نظریاتی ہی نہیں زمینی حقائق ہیں اور ان سے صرف نظر کرنے سے تباہی ہو گی۔

میاں نواز شریف کی موجودہ حکومت نے اپنے ڈھائی سالہ دور اقتدار میں اور خصوصیت سے اعلان لاہور' اعلان واشنگٹن اور کارگل سے پسپائی کے ذریعے کشمیر کے مسئلے کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اور عملاً تحریک جہاد کے سینے میں خنجر گھونپنے کا اقدام کیا ہے۔ اس نے پاکستان کے جوہری سد جارحیت کو بھی غیر موثر بنا دیا ہے اور فوج کی

دفاعی صلاحیت اور کردار کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔ اس نے جو پیغام مقبوضہ کشمیر کی تحریک حریت کو دیا ہے، وہ بڑا ہی تباہ کن ہے۔ اس کے نتیجے میں کشمیر کے مسلمانوں کو پاکستان سے مایوسی ہو گی۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ بھارت کی طرف تو راغب نہیں ہوں گے لیکن پاکستان کو جس طرح وہ اپنی منزل قرار دیے ہوئے تھے اب ان کے جذبات ضرور متاثر ہوں گے۔

اس حکومت کی پالیسیوں سے ملک کی معیشت بھی کمزور ہوئی ہے اور بیرونی دنیا پر ہماری محتاجی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ غربت اور بے روزگاری بڑھی ہے اور دولت کی تقسیم مزید غیر مساوی اور غیر منصفانہ ہو گئی ہے۔ امن و امان کی صورت حال بھی پورے ملک میں اور خاص طور پر سندھ اور پنجاب میں سخت مخدوش ہے۔ علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ منافرتوں میں اضافہ ہوا ہے اور سب سے بڑھ کر ملک کے تمام ہی ادارے مفلوج اور معطل ہو کر رہ گئے ہیں۔ شخصی حکومت اور شخصی وفاداری کی بنیاد پر سیاست کاری نے دستور، قانون، شریعت، روایات سب کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ وزیر اعظم اپنے کو پاکستان سمجھتے ہیں اور ہر مرض کا علاج یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ہاتھ مضبوط ہوں اور ان کے اختیارات میں مزید اضافہ ہو۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔ فیصلے کرنے کے لیے کوئی باضابطہ بااختیار ادارہ باقی نہیں رہا ہے۔ وہ "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ" کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ یہ وہ سب سے بڑی خرابی ہے جس کی وجہ سے ملک شخصی حکمرانی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ روزنامہ انڈی پنڈنٹ لندن کے نمایندہ پیٹر پوفام نے ۱۸ جولائی ۱۹۹۹ کی پاکستان سے ارسال کردہ اپنی رپورٹ میں اس طرز حکمرانی کی یوں تصویر کشی کی ہے:

ہر سینچر کو، مسٹر شریف لاہور کے لارنس گارڈن میں کرکٹ کھیلتے ہیں۔ ان کے کھیلنے کا طریقہ یہ ہے: وہ نہ بولنگ کرتے ہیں، نہ فیلڈنگ، وہ صرف بلے بازی کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عام طور پر ۵۰ رن بنا لیتے ہیں۔ باؤلر ان کو ایک کے بعد ایک

ہاف والی اور لانگ ہاپ پھینکتے ہیں۔ جب وہ بال کو اچھال دیتے ہیں تو فیلڈر اپنے جوتوں کے تسموں میں الجھ جاتے ہیں' سورج کی روشنی سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں یا انھیں حملہ قلب ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی بات کیچ پکڑنے سے بچنے کے لیے! یہ رسم (ritual) ایک ماڈرن اسلامی شہنشاہ کے شایان شان ہے--- اور مسٹر شریف پاکستان میں مطلق العنان حاکم ہونے کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مگر' گو نظر کا فریب بظاہر مکمل ہے اور بڑی مہارت سے ترتیب دیا گیا ہے' لگتا ہے کہ سب کچھ کسی لمحہ پادر ہوا ہو جائے گا' بغیر کسی وارننگ کے!

مسائل کا حل: نئی قیادت

یہ صورت حال ہرگز گوارا نہیں کی جا سکتی۔ یہ صرف جمہوریت ہی کے لیے نہیں' پاکستان کے وجود کے لیے بھی خطرہ ہے۔ حکومت اور اپوزیشن دونوں ہی ناکام ہو چکے ہیں۔ اب بقا اور سلامتی کا ایک ہی راستہ ہے کہ ملک کے عوام اٹھیں اور اپنے ملک کو ان حکمرانوں سے بچائیں جن کی دلچسپی یا اسے لوٹنے اور اپنا پیٹ بھرنے میں ہے یا اپنے اقتدار اور عیش و عشرت کی خاطر دوسروں کے ایجنڈے پر عمل کرنے میں ہے۔ وہ جو "پاکستان نژاد" ہونے کا دعویٰ لے کر آئے تھے اتنے ہی کھوٹے ثابت ہوئے جتنے آکسفورڈ اور واشنگٹن سے درآمدہ! ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے نئی قیادت کا آنا ضروری ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ وہ سب عناصر جن کی زندگی اور موت پاکستان سے وابستہ ہے اور جو اس مملکت خداداد کے اصل امین ہیں' گو غافل ہیں' میدان میں اتریں۔

یہ محض کسی ایک گروہ یا جماعت کی ذمہ داری نہیں--- یہ پوری قوم کی اور خصوصیت سے متوسط طبقے کے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنا فرض ادا کریں۔ صرف جوش ہی نہیں ہوش سے بھی کام لیں۔ معاملہ محض شخصیات کو ہٹانے کا نہیں بلکہ پاکستان کے اصل مقصد اور عوام کے حقیقی مفاد کی روشنی میں صحیح خطوط پر پالیسی

بنانے‘ دیانت دار اور باصلاحیت ٹیم کو ذمہ داری کے مناصب پر لانے اور پوری قوم کو مقاصد‘ اصول اور انصاف کی بنیادوں پر جمع کرنے اور اصل نصب العین کے حصول کے لیے سرگرم عمل کرنے کی ہے۔ جس جذبے اور جس انداز میں تحریک پاکستان نے سب کو ایک اعلیٰ مقصد کے لیے سرگرم کر دیا تھا‘ آج اسی جذبے اور اسی انداز میں پاکستان کو بچانے اور اس کی قیادت کو مفاد پرستوں کے چنگل سے نکال کر پاکستان کے ایسے خادموں کے ہاتھ میں دینے کی ضرورت ہے جو اس کے لیے اپنی جان‘ مال اور صلاحیتیں قربان کرنے کا عزم اور داعیہ رکھتے ہوں‘ جنھیں بیرونی خطرات کا بھی پورا پورا ادراک ہو اور جو آزادی‘ اسلامی نظریہ اور ملی غیرت و محبت سب کی موثر پاسبانی کر سکیں۔ زمانے کے ساتھ بدلنے والوں کا تجربہ تو قوم نے بہت کر لیا۔ اب ایک ایسی ٹیم کو اوپر لانے کی ضرورت ہے جو زمانے کو بدلنے کا عزم رکھتے ہوں۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ پاکستان میں وہ نفوس آج بھی موجود ہیں جو کشتی کو گرداب سے نکال سکتے ہیں۔ جہاد صرف عسکری معرکے کا نام نہیں‘ یہ تو اس جدوجہد کا نام ہے جو پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے اور رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے کی جائے اور زندگی کے ہر میدان میں کی جائے‘ اللہ کے فراہم کردہ ہر وسیلہ اور ذریعہ سے کی جائے تاآنکہ اللہ کا کلمہ غالب اور سربلند ہو:ؔ

حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ ستیز

(ترجمان القرآن‘ اگست ۱۹۹۹)